OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.8 Issue 9 June 2021

اسلامی ریاست کی خارجہ حکمت عملی کے بنیادی اصول

Basic Principles of Foreign Policy of an Islamic State

Muhammad Younus Javaid
Ph.D Scholar, Dept. of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.

Dr. Shamsul Arifeen
Assistant Prfoessor Dept. of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.

Abstract: Foreign policy is one of the wheels with which process of international politics operates. It is not separate from the national policy. It is an important tool to relate the relations to other countries. Foreign policies consist of aims and measures that are intended to guide government decisions and actions with regard to external affairs, particularly relations with foreign countries. Being a universal religion Islam represents broad vision of its constituted policies and considers itself responsible for the preparation of its rights. In spite of these approaches, Islam gives its own guidance in this perspective. The Holy Prophetﷺmade practically the establishment of Islamic State, made arrangements of conveying to the whole humanity, the worldly and universal message of Islamic ideology. All these facts are evident from the foreign policies of the State of Madina. When we compare all these thoughts with Islamic teachings, we find that these thoughts and approaches are not applicable in this world. Foreign policy of an Islamic State can solve all the issues, problems and contradictions which is facing the world today.
Key Words:Foreign Policy,National Interest, Diplomacy,Islamic State,War and peace, Basic Principles

تمہید:

انسان اکیلا نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنی ضروریات کے لیے دوسرے انسانوں کے ہمراہ رہنے پر مجبور ہے۔ موجودہ دور میں دنیا ایک گلوبل ویلج (Global Village) بنتی جارہی ہے۔ آج جس انداز میں تبدیلیاں اور واقعات رونپذیر ہورہے ہیں، اسی لحاظ سے مختلف ریاستوں اور اقوام میں پیچیدگیاں، تنازعات اور مختلف معاہدات سامنے آتے رہتے ہیں۔ جس طرح کوئی انسان اکیلا نہیں رہ سکتا اسی طرح کوئی ریاست بھی تنہا نہیں رہ سکتی۔ وہ دیگر ریاستوں اور اقوام سے تعلقات قائم کرنے کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ ریاست کی سیاسی، معاشی، دفاعی اور دیگر ضروریات اسے دوسری ریاستوں سے تعاون پر مجبور کرتی ہیں۔ ایک ریاست دیگر ریاستوں اور اقوام سے تعلقات کے قیام میں کچھ بنیادی اصولوں اور مقاصد کو پیشِ نظر رکھتی ہے اور انہیں متعین کرتی ہے۔ اسی بنا پر ہر ملک اور قوم اپنی خارجہ حکمت عملی (Policy) مرتب کرتے ہیں۔ کوئی بھی ریاست اس سے مکتفی نہیں رہ سکتی۔ سائنسی ترقی نے دنیا کے ممالک کو آپس میں مربوط کر دیا ہے۔ اب کوئی ریاست دوسری ریاستوں کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

بین الاقوامی تعلقات میں خارجہ حکمت عملی ایک اہم آلہ (Tool) کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر ریاست کے مفادات اور مقاصد علیحدہ نوعیت کے ہوتے ہیں جن کا تعین اس ریاست کے جغرافیائی، تاریخی، مذہبی، ثقافتی، معاشی اور نظریاتی عوامل کرتے ہیں۔ خارجہ حکمت عملی کے مفہوم کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ ریاستیں اپنے مخصوص حالات میں اپنے قومی مفادات اور مقاصد کے حصول کے لیے دیگر ریاستوں سے تعلقات قائم کرنے کے لیے جو طرزِ عمل اور رویہ اختیار کرتی ہیں، انہیں ریاست کی خارجہ حکمت عملی کہا جاتا ہے۔

اسلام دینِ فطرت اور مکمل نظام حیات ہے۔ اس نے زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی فراہم کی ہے۔ اسلامی قانون ایک کلی (Holistic) نظام ہے ۔ یہ ملکی، ریاستی اور بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں اپنے طے شدہ واضح تصورات رکھتا ہے۔ وہ نہ صرف زندگی کے انفرادی بلکہ اجتماعی معاملات میں بھی مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اجتماعی زندگی کی رہنمائی کے لیے وہ ایک مستحکم ریاست کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ اس کے اصول اجتماعی حیثیت سے نافذ ہوسکیں۔

یہ انسانی زندگی کی ہمہ پہلو تربیت اور تہذیب کے لیے اساسی اصول اور رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے تعلقات دیگر ممالک، اقوام اور بین الاقوامی طور پر کن اصولوں پر مبنی ہونے چاہییں؟ کن بنیادوں پر اس کے

تعلقات استوار ہوں؟ وہ ان سوالات کا سیر حاصل جواب فراہم کرتا ہے۔ یہ انسانی زندگی کی تعمیر اخلاقی اصول وضوابط پر کرتا ہے اور فتنہ و فساد کے تمام راستے مسدود کر دیتا ہے۔ انہی کی روشنی میں یہ حمایت وعداوت کا تعین کرتا ہے۔ اسلامی نصوص کے مطالعہ سے ہمیں کچھ ایسی اقدار حاصل ہوتی ہیں جو مسلم رجحان اور اندازِ فکر کے نقوش متعین کرتی ہیں اور مسلم شعور اور حکمت عملی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جس کے تحت انہوں نے بشمول خارجہ تعلقات، زندگی کے تمام شعبوں میں مسلمانوں کے عمل کے لیے کچھ طے شدہ اور تغیر نا آشنا طریقے مقرر کیے ہیں۔[1] ذیل میں ایک اسلامی ریاست کی خارجہ حکمت عملی کے وہ بنیادی اصول بیان کیے جاتے ہیں جو قرآن وسنت کی نصوص سے متعین ہوتے ہیں۔

ا۔ تعاون کی بنیاد

اسلام دیگر اقوام اور ریاستوں کے ساتھ تعاون اور تعلقات کی بنیاد خیر اور بھلائی کے اصول پر استوار کرتا ہے۔ اس بارے میں ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[2]

(نیکی اور پرہیز گاری کے معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کی بات میں تعاون نہ کرو۔)

اس آیت میں باہمی اور بین الاقوامی معاملات میں نیکی اور جائز کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے اور گناہ اور کسی پر ظلم یا زیادتی کرنے میں کسی فرد، ریاست یا قوم سے عدم تعاون کا رویہ اختیار کرنے کا واضح اصول بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا﴾[3]

(اے ایمان والو! حق پر قائم رہو اللہ کے لیے گواہی دیتے ہوئے خواہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا والدین کے خلاف یا رشتہ داروں کے خلاف، کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ ہی دونوں کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ پس تم خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ عدل سے ہٹ جاؤ۔)

نبی اکرم ﷺ کے اسوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ حق اور نیکی کی حمایت اور تعریف کی جبکہ ظلم اور زیادتی کو ہمیشہ ناپسندیدہ قرار دیا۔ یہ آپ ﷺ کی خارجہ حکمت عملی کا بھی ایک اہم اور بنیادی اصول تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

"انصر اخاک ظالما او مظلوما"(اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم)

صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جائے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

"تاخذبفوقیدیه"[4](اس کا ہاتھ تھام لو۔)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست کو دیگر اقوام اور ریاستوں سے تعلقات خارجہ میں ان کی بھلائی اور خیر خواہی کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ تعاون علی الخیر کے ضمن میں اسلام مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں سے بھی تعلقات اور تعاون میں کوئی روک نہیں لگاتا۔ اگر یہ قیام عدل اور تعاون علی الخیر کی بنیاد پر ہو تو اس کا حکم دیتا ہے:۔

"لاحرج فی الاسلام من قیام الدولة المسلمة بالتعاون معالم خلصین من غیر المسلمین سواء کانوامن اهل الکتاب ام من غیرهم اتباع الدیان اتالاخریٰ وذلک من اهل تحقیق الخیرالمشترکوالدفاع من مصالحة العامة والتعاون علی اقامة العدل ونشر الامنو صیان الدماءان تسفک۔"[5]

(اسلام میں اسلامی ریاست کے قیام میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا کسی اور دین کے پیروکار ہوں، کا تعاون لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور تعاون کی بنیاد مشترکہ بھلائی، دفاع مصالح عامہ اور قیام عدل، امن کا پرچار اور خونریزی کے تدارک پر ہونی چاہیے۔)

۲۔عہد کی پاس داری

اسلام عہد کی پاس داری اور معاہدات کے احترام کا سختی سے حکم دیتا ہے کیونکہ یہ اس کی بین الاقوامی پالیسی کا ایک اہم اصول ہے۔ وہ اسلامی ریاست سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ عہد وپیمان کو پورا کرنے والی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾[6]

(اور عہد وپیمان پورے کرو، یقیناً عہد وپیمان کے بارے میں بازپرس ہوگی۔)

اسی طرح ارشاد ہے:۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾[7]

(اے ایمان والو! اپنے معاہدات پورے کرو۔)

تاریخِ انسانی گواہ ہے کہ افراد، اقوام اور ریاستوں کے مابین مختلف نوعیت کے زبانی اور تحریری معاہدے روبہ عمل آتے رہے ہیں۔ دنیا کے مختلف قوانین اور دساتیر ایک لحاظ سے معاہدوں کی ہی ایک قسم ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان معاہدوں کے ایفا ہونے کی کیا صورت احوال رہی ہے؟ کیونکہ اگر ایفائے عہد کا عنصر موجود نہ ہو تو معاہدہ کی کامیابی ناممکن الحصول اور ایک سراب کی سی ہوتی ہے۔ معاہدات میں اگر کچھ لکھا بھی ہو اور معاہدین کا مزاج اس پر عمل نہ کرنے والا ہو تو عدل و انصاف کے تقاضے کبھی پورے نہیں ہو سکیں گے۔ ایفائے عہد کے ضمن میں اقوام و ممالک کا کردار بڑا قابل افسوس رہا ہے کہ انہوں نے ان کی پابندی اور وفا کے تقاضوں کو کماحقہ پوری طرح ادا نہیں کیا ہے۔ اس کے برعکس اسلام کی تعلیمات نے عہد و پیمان کی پابندی اور پاس داری کو جس طرح سے بیان کیا ہے اور مسلمانوں نے جس طرح سے معاہدات کو ایفا کیا ہے، اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ ابن جریر طبریؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"واوفوابالعقدالذيتعاقدونالناسفيالصلحبيناهلالحربوالاسلاموفيمابينكمايضا۔"[8]

(عہد پورا کرو جو اہل حرب اور مسلمانوں کے درمیان صلح میں لوگوں سے کیا جاتا ہے اور اسی طرح تمہارے درمیان کیا جاتا ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے تو اپنے ساتھ کیے گئے عہد کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے تو بندوں اور اقوام و ممالک کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کو تو بدرجہ اولیٰ پورا کرنے کا حکم ہے:۔

﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا﴾[9]

(اور جب تم اللہ سے عہد کرو تو پورا کرو اور قسموں (عہد) کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو۔)

سورۃ البقرہ میں ہدایت یافتہ لوگوں کی صفات میں سے ایک صفت ایفائے عہد بیان کی گئی ہے:۔

﴿وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا﴾[10]

(اور جب عہد کرتے ہیں تو اپنے عہدوں کو پورا کرتے ہیں۔)

اسلامی ریاست اس بات کی شرعاً پابند ہے کہ جب وہ کسی قوم یا ریاست سے کوئی معاہدہ کرے تو اس کی مکمل پاسداری اور احترام کرے۔اس کو مقررہ مدت تک اس کی روح کے مطابق ایفا کرے۔ معاہدات کا احترام اور ایفائے عہد ملکی قانون کا ایک ضابطہ ہے۔یہ ریاستی قانون کا ایک اہم مصدر اور قاعدہ ہوتے ہیں۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:۔

"انی لا اخیس بالعهد ولا احبس البرود"[11]

(بے شک میں عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور نہ ہی فرستادوں کو قیدی بناتا ہوں۔)

رسول اکرم ﷺ نے خود بھی دور رسالتؐ میں کیے گئے معاہدات و وثائق کی مکمل پاس داری کی۔اس حولہ سے صلح حدیبیہ کا معاہدہ قابل ذکر ہے۔جب شرائط ہی طے ہوئیں تھیں اور اسے ابھی لکھا نہیں گیا تھا۔ان میں ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے مدینہ آئے گا تو اسے واپس کفار مکہ کو لوٹا دیا جائے گا۔اسی دوران ابو جندلؓ مسلمان کی حیثیت سے مکہ سے فرار ہو کر مسلمانوں کے پاس پہنچ گئے۔آپ ﷺ نے معاہدہ کی پاس داری کرتے ہوئے اسے کفار کو لوٹا دیا۔ جب ابو بصیرؓ مکہ سے فرار ہو کر مدینہ آئے تو آپ ﷺ نے انہیں بھی معاہدہ کی پاس داری کرتے ہوئے واپس لوٹا دیا۔[12] آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم ﷺ کے راستہ کی پیروی کرتے ہوئے کیے گئے میثاق وعہد کا احترام کیا۔معاہدوں کے احترام کی روشن مثالوں سے مشرکین اور غیر مسلم اقوام کے دلوں کو فتح کیا اور وہ دشمن سے دوست بن گئے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

"ادا لأمانة الى من ائتمنك ولا تخن من خانك"[13]

(جو تجھے امین بنائے، تو اس کی امانت اسے واپس کر دے اور جو تم سے خیانت کرے تم اس سے خیانت نہ کرو۔)

قرآن وسنت کے احکام اور نصوص جہاں معاہدوں، میثاق اور ذمہ داریوں کو کامل ترین صورت میں پورا کرنے کا صریح اور واضح حکم دیتی ہیں، وہیں دھوکا دہی، خیانت اور نقض عہد سے منع کرتی ہیں اور یہ تاکید کرتی ہیں کہ ایفائے عہد وپیمان برابری کی بنیاد پر داخلی اور خارجی تعلقات میں بنیادی عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔مسلمانوں کا غیر مسلم اقوام کے ساتھ ایک پرامن بقائے باہمی کے اصول پر تعلق عہد رسالت ﷺ سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے۔

۳۔ صلح جوئی کا حکم

اسلام سراسر امن اور سلامتی کا درس دیتا ہے۔وہ انسانی جان اور مال کی حرمت کا شدت سے قائل ہے۔انسانیت کے

احترام اور امن وامان کے قیام کو اولین اہمیت دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾[14]

(جو کسی جان کو بغیر کسی جان یا فساد کرنے کے قتل کرے تو گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو بچایا گویا اس نے سب انسانوں کو بچایا۔)

امن وامان کو قائم رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ فتنہ وفساد کا قلع قمع کر دیا جائے تاکہ ایک اسلامی ریاست مکمل آزادی اور خود مختاری سے اپنے فرائض انجام دے سکے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے:۔

﴿وقاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾[15]

(اور ان سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ وفساد باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر زیادتی نہیں۔)

امن وامان کے قیام کے لیے اسلام نے صلح جوئی کا حکم بھی دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ جیسا معاہدہ کر کے کامیاب خارجہ حکمت عملی کو انتہا و کمال تک پہنچا دیا اور اس نے اسلام کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات امن وامان کے قیام کے سلسلہ میں صلح جوئی کی طرف خصوصی رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا﴾[16]

(پس اگر وہ تم سے یکسو رہیں اور تم سے صلح چاہیں تو پس اللہ نے ان پر تمہیں کوئی راہ نہیں دی۔)

اسی طرح سورہ انفال میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾[17]

(اگر (دشمن) صلح وسلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسا کرو، یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔)

اس آیت کریمہ سے خارجہ حکمت عملی کا یہ اصول سامنے آتا ہے کہ اگر دشمن قوم یا ملک صلح پر آمادہ ہو یا مصالحت کی خواہش کا اظہار کرے تو تم بھی اس کا مثبت جواب دو اور صلح کے لیے پیغام قبول کرو۔ اس کے ساتھ اللہ پر بھی بھروسا رکھو۔ فرمایا:۔

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾[18]

(اور اس شخص سے یہ مت کہو جو تم سے صلح کی خواہش کرے کہ تم مسلمان نہیں، تم دنیا کی زندگی کا اسباب چاہتے ہو۔)

رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اس بات کی کامل گواہ ہے کہ دشمن نے جب بھی آپ ﷺ کی طرف صلح اور دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ صلح خیبر اور صلح حدیبیہ اس کی بین مثالیں ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ جنگ کے لیے اسی وقت آمادہ وتیار ہوئے جب آپ ﷺ کو مجبور کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

"ایها الناس لا تتمنوا لقاء العدو وسلاالله العافیة"[19]

(اے لوگو! دشمن کے ساتھ مڈ بھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو۔)

اسلام کی اس صلح جوئی کا ایک مقصد عالمی امن کا قیام بھی ہے۔ یہ ظلم اور فتنہ کے استیصال کا حکم دیتا ہے اور انسانی جان کے احترام کا درس دیتا ہے۔ صلح جوئی کے اسی اصول میں محاربین کے مابین صلح کروانا بھی شامل ہے۔ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان جھگڑا یا تنازعہ کی کیفیت اس حد تک پہنچ جائے کہ جنگ وجدل کی نوبت آجائے تو ان کے مابین صلح کروانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾[20]

(اور اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کروا دو، پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پس اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کروادو اور انصاف کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں میں صلح کروادو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔)

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی ریاست یا فریق صلح کی طرف مائل نہیں ہوتا اور جنگ وجدل سے امنِ عالم تباہ کرنے کا ذمہ دار بنتا ہے تو اس سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے گی جب تک وہ حق اور صلح کی طرف نہیں پلٹ

آتا۔ مظلوم اور ظالم کی اس جنگ میں ظالم کو ظلم سے روکنا ایک لحاظ سے ظالم کی مدد ہی ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں بیان کیا گیا ہے کہ **انصر اخاک ظالما او مظلوما** (اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم)[21]

۴۔ عالمی انسانی برادری کا قیام

نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد سیاست خارجہ میں اس طرح سے اقدامات اٹھائے کہ مدینہ اور اس کے اطراف کے قبائل آپ ﷺ کے حلیف بن گئے اور ان کے ریاست مدینہ سے تعلقات استوار ہوتے چلے گئے۔ آپ ﷺ کی سیاست خارجہ کوئی ارضی حد بندی کے اصول پر نہ تھی بلکہ عالم گیر سطح کی حامل تھی۔ اگر یہ ارضی سیاست (Geopolitics) کے اصول کے تابع ہوتی تو اسلام جزیرہ نما عرب سے باہر نہ نکل پاتا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں ایک عالمی انسانی برادری کا قیام بھی تھا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾[22]

(اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور خاندان اور قبیلے صرف اس لیے بنائے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔)

اس مساوات اور عالمگیریت کا پیغام دیتے ہوئے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا:۔

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾[23]

(کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔)

اسلام کی خارجہ حکمت عملی اقوام عالم کو ایک مرکز پر لانے اور ایک عالمی انسانی برادری کو قائم کرنے والی ہے۔ اگر بین الاقوامی سطح پر اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو فتنہ وفساد کو پنپنے کا موقع ہی نہ ملے۔

﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا﴾[24]

(سب لوگ ایک ہی امت تھے مگر وہ اس میں اختلاف کرتے تھے۔)

ایک اور مقام پر فرمایا گیا:۔

﴿وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ﴾[25]

(اور دیکھو، یہ تمہاری امت فی الحقیقت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں، پس تقویٰ اختیار کرو۔)

اسی بات کو سورۃ النساء میں یوں بیان کیا گیا ہے:۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾[26]

(اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔)

حدیث میں آتا ہے:۔

"اللهم ربنا ورب كل شيئ وان ياشهد ان العبادكلهم اخوة"[27]

(اے ہمارے رب اور ہر چیز کے رب! میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب آپس میں بھائی ہیں۔)

اسلامی ریاست میں عدالتی، قانونی اور سیاسی لحاظ سے تمام انسانوں کو ایک جیسی آزادی فراہم کی جاتی ہے اور احکام پر عمل درآمد کے لحاظ سے ایک سطح پر رکھا جاتا ہے۔ غیر مسلموں پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا جاتا اور انہیں اپنے مراسم عبودیت میں مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی یہ خارجہ حکمت عملی تھی کہ مشرق و مغرب میں رہنے والے لوگ ایک خاندان کی مانند بنا دیے گئے۔ اس طرح اتحاد و یگانگت کا ایسا مظہر پیش کیا گیا جس کی مثال کسی اور دین و مذہب میں موجود نہیں ہے۔ اس بات کو عہدِ حاضر کے مفکرین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مستشرق مجید خدوری اس بارے میں بیان کرتے ہیں کہ اسلام کا پیغام دنیا کی تمام قوموں کے لیے تھا۔ لہٰذا اس کے ظہور کے ساتھ ہی یہ سوال سامنے آیا کہ دولت اسلامیہ کو غیر مسلم ممالک یا اپنے دائرہ عمل کی مجاز مذہبی جمعیتوں کے ساتھ تعلقات کس اصول پر قائم کرنے چاہییں۔ اسلام کا نصب العین یہ تھا کہ پوری دنیا کو اپنے دائرے میں لے آئے لیکن تمام قومیں اسلام اختیار کرنے پر آمادہ نہ ہوئیں۔ لہٰذا غیر مسلم سرحدات جو دولت اسلام سے باہر تھیں، ان کے ساتھ تعلقات کا معاملہ طے کرنا پڑا۔[28] مسلمانوں ایک وسیع بین الاقوامی اسلامی برادری کا حصہ ہیں خواہ وہ کسی بھی قومیت، رنگ، نسل، زبان وغیرہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ اسلام کے طوق غلامی میں وہ ایک ہی رنگ میں رنگے جاتے ہیں جو کہ کلمہ کی بنیاد اور حبل اللہ (اللہ کی رسی) میں پائے جاتے ہیں:۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾[29]

(اور اللہ کے عہد پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ اور گروہ در گروہ نہ ہو جاؤ۔)

۵۔ بین الاقوامی اصولوں کی پاسداری

اسلام نہ صرف ریاست کے لیے بین الاقوامی قوانین اور اس کے اصول و ضوابط فراہم کرتا ہے بلکہ ان پر عمل درآمد کا

داعیہ بھی پیدا کرتا ہے۔ ایک اسلامی ریاست کا یہ وطیرہ ہوتا ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات اور اسوہ حسنہ ؐ کی پیروی کرتے ہوئے بین الاقوامی اصولوں اور قواعد کا احترام اور پاس داری کرے۔ ان میں سے چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں:۔

۱۔ یہ بین الاقوامی اصول ہے کہ سفیروں اور قاصدوں کے جان و مال کا تحفظ کیا جائے اور ان سے بد سلوکی روا نہ رکھی جائے۔ اگرچہ قبل از اسلام سفراء اور قاصدوں سے بہتر سلوک اور اچھا رویہ رکھنے کے قوانین کا نظری پہلو موجود تھا لیکن عملی پہلو بری طرح متاثر تھا۔ اس دور میں سفارتی نمائندوں اور قاصدوں کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ طاقت کے نشے اور تکبرانہ اطوار میں ناشائستہ زبان کا بے محابا استعمال ایک عام وطیرہ تھا۔ اس کی واضح مثال ہرقل کے سفیر کی ہے جو اس نے خسرو پرویز کے پاس صلح کے پیغام کے ساتھ بھیجا تھا۔ خسرو پرویز نے طاقت کے گھمنڈ میں ہرقل کے سفیر کی زندہ حالت میں کھال ادھیڑ کر اسے مروا دیا اور ہرقل کو جواب دیتے ہوئے اس طرح مخاطب کیا:۔

"من خسرو الرب الاکبر المهیمن علی العالم الی هرقلالاحمق"[30]

(خسرو جہاں کے نگہبان رب اکبر کی طرف سے ذلیل و احمق غلام ہرقل کے لیے)

رسول اکرم ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمر ازدیؓ کو بلقاء کے حاکم نے دوران سفارت کاری شہید کر ڈالا تھا۔ اسی طرح کے کئی واقعات ہمیں تاریخ کے صفحات میں جا بجا ملتے ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس اسلام نے جس طرح اس بین الاقوامی اصول کی پاس داری حقیقی معنوں میں کی ہے اور اسے پروان چڑھایا ہے، اس کی مثال دنیا کی عالمی تاریخ میں نہیں ملتی۔ دوسری اقوام، قبائل اور ریاستوں کے سفراء اور ایلچیوں کے جان و مال کا تحفظ کیا جاتا تھا۔ ان کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھا گیا۔ نہ ہی ان سے برا سلوک کیا گیا اور نہ ہی ان کی تذلیل کی گئی۔ یہاں تک کہ جب مسلیمہ کذاب کے ایلچی آپ ﷺ کے پاس اس کا پیغام لے کر آئے تب بھی آپ ﷺ نے ان کے ساتھ بین الاقوامی تعلقات کے تحت مروت کا سلوک فرمایا۔ اگرچہ ان کا لب و لہجہ گستاخانہ انداز پر مبنی تھا۔

"جاءابن نواحة وابن اثال، رسولین المسیلمة الی رسول الله ﷺ فقال لهما رسول الله ﷺ: تشهدا فی رسول الله، فقالا: نشهد أم سیلمة رسول الله، فقال رسول الله ﷺ: امنت بالله ورسله، ولوکنت قاتلا رسول القتلتکما۔"[31]

(ابن نواحۃ اور ابن اثال مسیلمہ کے یہ دونوں قاصد نبی اکرم ﷺ کی طرف آئے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا: تم دونوں یہ گواہی دو کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ ان دونوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول

ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا۔ اگر پیغامبروں کا قتل جائز ہوتا تو میں تم دونوں کو ضرور قتل کروادیتا۔)

ب۔ روابط کی مضبوطی کے سلسلہ میں تحائف اور عطایا دینے کا طریقہ بھی مستعمل رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ خود بھی اس پر عمل پیرا رہتے تھے۔ ڈاکٹر نثار احمد رقم طراز ہیں:۔

"روابط کے استحکام اور تعلقات کی بہتری کے سلسلے میں ہدایا اور تحائف کا بھیجنا بھی عالمگیر روایات میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تحفے اور ہدایا کا تبادلہ نہ صرف یہ کہ دوست ممالک یا ہم خیال حکمرانوں سے ہی کیا بلکہ دشمن ممالک اور مخالفوں کو بھی ارسالِ ہدایا میں تکلف نہیں برتا مثلاً عمرو بن امیہ ضمری کو ابوسفیان بن حرب کے پاس مکہ میں ہدایا دے کر بھیجا۔"[32]

ج۔ آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف صحابہ کرامؓ کو مختلف زبانیں سیکھنے کے احکامات دیے تھے۔ اس بارے میں حضرت زید بن ثابتؓ کا نام نمایاں ہے جنہوں نے غیر ملکی زبان کو صرف سترہ دنوں میں سیکھ لیا تھا۔[33] صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے دعوت اسلام کے ضمن میں بیرونی ممالک میں جو سفارتیں مختلف حکمرانوں کے نام روانہ فرمائیں، ان کے سفراء کرام ان زبانوں میں گفتگو کر سکتے تھے جن علاقوں میں انہیں روانہ کیا گیا تھا۔[34]

د۔ بین الاقوامی تعلقات میں سفارتی نمائندوں اور سفارتی مراسلت کی بڑی قدر وقیمت ہوتی ہے۔ آپؐ نے اس ضمن میں کئی نئے پہلو اختیار فرمائے اور اس میں انقلابی تبدیلیاں کیں اور نئے رجحانات متعارف کروائے۔ سفیروں کا انتخاب کرتے وقت ان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ حلیفانہ مراسم اور متعلقہ قبائل اور ممالک کے سربراہان سے ان کے تعلقاتِ دیرینہ کو مدنظر رکھا گیا۔ اسی طرح بین الاقوامی خط کتابت کرتے وقت ان پر مہر لگانے کا عمل بھی شروع کیا گیا۔ اس طرح یہ مکاتب بطور ریاستی فرامین اور مراسلہ جات کے روانہ فرمائے گئے۔ ان خطوط کا لب ولہجہ اور طرز تکلم بین الاقوامی سفارت کے رجحانات کا آئینہ دار اور غماز تھا۔ آپؐ کی طرف سے اٹھائے گئے یہ تمام اقدامات اور ضوابط آپ ﷺ کے بین الاقوامی رجحانات کو بخوبی سمجھنے اور ان سے مستفید ہونے کو واضح کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے ان اصولوں اور اقدامات نے ان تمام سفارتی مہموں کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان رجحانات کی آج بھی انہی اصولوں کے مطابق پاس داری کی جاتی ہے جو آپ ﷺ نے انسانیت کو اس ضمن میں ودیعت فرمائے تھے۔

ر۔فقہائے اسلام نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سفیروں اور ایلچیوں کے بارے میں کئی قواعد اور ضوابط بیان فرمائے ہیں۔'شرح السیر الکبیر' میں امام سرخسیؒ نے ان کو تفصیلاََ ذکر کیا ہے جیسا کہ سفراء کے بارے میں لکھا ہے:۔

"عبارة الرسول كعبارة المرسل"[35]

(ایلچی کی بات ایلچی بھیجنے والے کی بات سمجھی جائے گی۔)

بلقاء کے حاکم نے جب نبی اکرم ﷺ کے ایلچی حضرت حارث بن عمر وازدیؓ کو شہید کر دیا تو آپ ﷺ نے اس بین الاقوامی اصول کی پامالی پر تین ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر بھیجا اور جنگ مُوتہ پیش آئی۔

۶۔مظلوموں کی دستگیری

اسلام انسانی جان کی حرمت کا بے حد قائل ہے۔وہ ایک انسانی جان کو بچانے کو ساری انسانیت کو بچانا تصور کرتا ہے۔اسی طرح وہ احترام انسانیت کے ساتھ مظلوموں کی دست گیری اور مدد کرنے کے احکام بھی دیتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا﴾[36]

(اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں جنگ نہیں کرتے اور کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے جو کہتے ہیں، اے ہمارے رب! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی دوست بنا اور ہمارا کوئی مدد گار و معاون بنا۔)

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے مسلمانوں کی مدد کرے جو کسی ظالم حکومت کے تحت اسلام کی وجہ سے سختیاں اور مظالم برداشت کر رہے ہوں۔ایسے مظلوموں کی دست گیری کرنا اسلامی ریاست کی خارجہ حکمتِ عملی کا ایک اہم اصول قرار دیا گیا ہے۔سورۃ الحج میں ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾[37]

(یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے، ہمارا رب اللہ ہے۔اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں، گرجے، معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت

سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر دیے جائیں، اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ بے شک اللہ بڑا قوی اور غالب ہے۔)

اسلامی ریاست میں غیر مسلم افراد کو ہر قسم کی مذہبی آزادی فراہم کی گئی ہے کہ وہ حدود میں رہتے ہوئے اپنی عبادات کو مکمل آزادی سے بجالا سکتے ہیں۔ ان پر کسی قسم کا جبر واکراہ نہیں اور نہ ہی انہیں مسلمان ہونے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اسلامی تعلیمات بھی یہ تقاضا کرتی ہیں کہ مسلمان جہاں اقلیت میں ہیں وہاں انہیں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت ملحوظ رکھی جائے۔ جو غیر مسلم ریاستیں مسلم ممالک کے ساتھ دوستی اور پرامن بقائے باہمی کے تعلقات استوار کرنے کی خواہش مند ہیں اور دعوت اسلام کی مخالفت میں بھی کمربستہ نہیں ہوتیں، ایسی ریاستوں سے تعلقات قائم کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ان کے کندرونی معاملات میں دخل اندازی اور فوجی یا مسلح جارحیت کی قطعاً ممانعت کی گئی ہے:۔

﴿لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾[38]

(اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

سیرت طیبہؐ کے مطالعہ سے بھی ہمیں مظلوموں کی دست گیری کا اصول ملتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے قبل از اسلام اوائلِ عمر میں مکہ کی شہری ریاست میں مظلوموں کی حمایت و مدد کے ضمن میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر منعقد ہونے والے معاہدے "حلفالفضول" میں شرکت کی تھی۔ بعثت کے بعد بھی آپ ﷺ نے اس معاہدے کی تعریف کی تھی:۔

"لودعیت به فیاالاسلاملأجبت"[39]

(اگر اسلام میں مجھے کسی ایسے معاہدے میں شرکت کے لیے بلایا جائے تو میں فوراً لبیک کہوں۔)

مدینہ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے سیاسی لحاظ سے جو اہم کام سب سے پہلے انجام دیا، وہ میثاق مدینہ کے نام سے مدینہ میں آباد سب گروہوں اور طبقات کو مرکزیت میں لانا تھا۔ اس معاہدہ کی ایک اہم شق یہ تھی کہ مظلوموں کی حفاظت کی جائے گی۔

مسلمانوں کی مدد اور دست گیری کرنے کے معاملے میں اسلام کی تعلیمات کو مدِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ بین الاقوامی اصولوں کی پاس داری کو بھی ملحوظ رکھنا ہو گا۔ قرآن مجید میں اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ﴾[40]

(اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو تمہیں ان کی مدد کرنی ہے سوائے اس کے کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی عہد ہو۔)

اگر دوسری ریاست کے ساتھ کوئی اس نوعیت کا معاہدہ ہو کہ کسی قسم کی جارحیت یا جنگ نہ کی جائے گی تو پھر ان مظلوم مسلمانوں کی مدد نہ کی جائے گی۔ مولانا مودودیؒ اس آیت کیتفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس طرح قانونِ اسلام نے اس جھگڑے کی جڑ کاٹ دی جو بالعموم بین الاقوامی پیچیدگیوں کا سبب بنتا ہے کیونکہ جب کوئی حکومت اپنی حدود سے باہر رہنے والی بعض اقلیتوں کا ذمہ اپنے سر لے لیتی ہے تو اس سے ایسی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کو بار بار کی لڑائیاں بھی نہیں سلجھا سکتیں۔[41]

۷۔ بدلے کی اجازت

فتنہ وفساد کے استیصال اور امن وامان کے قیام کے لیے اسلام نے بدلہ لینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اسی ضمن میں یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ بدلہ یا انتقام اتنا ہی لیا جائے جتنا کہ حق ہے اور زیادتی یا ظلم بالکل بھی نہ کیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾[42]

(اور ان سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ وفساد باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر زیادتی نہیں۔)

سورہ شوریٰ میں ارشاد ہے:۔

﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾[43]

(اور برائی کا بدلہ تو اس کے برابر برائی ہی ہو سکتا ہے۔)

گویا اسلام زیادتی پر زیادتی کا جواز دیتے ہوئے اتنا ہی بدلہ لینے کا حکم دیتا ہے جتنا کہ زیادتی کی گئی ہو۔ فرمایا گیا:۔

﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ﴾[44]

(پس جو تم سے زیادتی کرے تو تم بھی اس کے برابر کی زیادتی کر کے اپنا بدلہ لے سکتے ہو (اس سے زیادہ نہیں۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ﴾ [45]

(اور اگر مخالفوں کی سختی کے جواب میں سختی کرو تو چاہیے کہ ویسی اور اتنی ہی کرو جیسی اور جتنی تمہارے ساتھ کی گئی ہے۔ اور اگر تم نے صبر کیا تو بلاشبہ صبر کرنے والوں کے لیے صبر ہی بہتر ہے۔)

ان آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست ظلم وزیادتی کا بدلہ لینے کی مجاز ہے لیکن بس اتنا ہی جتنا کہ زیادتی اور ظلم اس پر روا رکھا گیا ہو۔ تاہم معاف کر دینے اور حسن سلوک کے رویے کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اسلامی ریاست پر یہ ذمہ داری چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ کس موقع اور محل کے لحاظ سے وہ کیا اقدام کر سکتی ہے۔

۸۔ غیر مسلموں سے دوستی

اسلامی ریاست غیر مسلم اقوام یا ریاستوں سے دوستانہ مراسم قائم کرتے ہوئے ایک محتاط اور زیرک رویہ اختیار کرتی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں غیر مسلموں خصوصاً یہود و نصاریٰ کے اہل اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں عناد و منافرت کا ذکر واضح طور پر کیا گیا ہے:۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ [46]

(اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔)

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے:۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ [47]

(اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے ہوں یا کفار ہوں۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔)

اسی طرح کفار و مشرکین سے بھی دوستانہ تعلقات سے منع کیا گیا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے دشمن ہیں:۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ﴾[48]

(اے ایمان والو! میرے اور (خود) اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آچکا ہے، کفر کرتے ہیں۔ پیغمبر اور خود تمہیں بھی محض اسی وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو۔)

۹۔ غیر جانب داری کا رویہ

اسلام کی تعلیمات غیر جانب داری کے اصول کا مکمل احترام کرنے کا درس دیتی ہیں۔ جب دو یا دو سے زائد ریاستوں کے مابین کوئی تنازعہ یا جنگ کی صورت حال پیش آجاتی ہے تو کئی ریاستیں اور ممالک اس میں فریق نہیں بنتے۔ بلکہ اس تنازعہ یا جنگ سے غیر جانبدار رہنے کا اعلان کر دیتے ہیں اور کسی بھی فریق کا ساتھ نہیں دیتے۔ ایسی صورت میں ان ریاستوں کی علاقائی خود مختاری اور سلامتی کا تحفظ کرنا ایک اہم اصول ہے جو اسلام نے بیان کیا ہے:۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا﴾[49]

(مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا تعلق اسی قوم سے ہو جن سے تمہارا معاہدہ ہے یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ نہ اپنے اندر وہ لڑائی کی ہمت پار ہے ہیں اور نہ اپنی قوم سے لڑنے کی ہمت پا رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار کریں اور تم سے جنگ نہ کریں اور صلح کی پیشکش کریں تو اللہ نے تم لوگوں کو ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں دی۔)

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں، اقوام اور ریاستوں سے جنگ یا لڑائی کی اجازت نہیں دی جو تم سے لڑائی یا جنگ میں غیر جانب داری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور صلح و امن کے خواہش مند ہیں۔ اس آیت سے غیر جانب داری کا واضح ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اسی طرح درج ذیل آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اقوام و ممالک مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد نہ کریں اور ان کے مخالفینِ اسلام کے تنازعہ میں فریق نہ بنیں اور غیر جانب دار رہیں، ان سے معاہدات کیے جاسکتے ہیں۔ سورہ ممتحنہ میں ارشاد ہے:۔

﴿لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾[50]

(اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ تم ان لوگوں سے جنہوں نے تمہارے ساتھ دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، نیکی کرو اور انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

سورہ توبہ میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ مشرکین کے وہ قبائل جنھوں نے مسلمانوں کے دشمنوں کی دوران جنگ مدد نہیں کی اوراپنے آپ کو غیر جانب دار رکھا، ان کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کو مکمل کیا جائے، فرمایا گیا:

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾[51]

(سوائے ان مشرکوں کے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے کوئی کمی نہ کی اور نہ ہی تمہارے خلاف کسی کی مدد کی۔ پس ان کے ساتھ معاہدات مقررہ مدت تک مکمل کرو، بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔)

قرآن کریم کی ان آیات سے ان اقوام وممالک سے غیر جانب داری برتنے کا اصول فراہم ہوتا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ زیادتی اور جنگ نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے دشمنوں کی حمایت و مدد کرتے ہیں بلکہ صلح اور امن پر قائم رہتے ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات میں غیر جانب داری کا تصور عربوں کے ہاں قدیم دور سے چلا آرہا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد رسول اکرم ﷺ نے بنو درحمہ کے ساتھ ایک معاہدہ میں یہ طے کیا کہ وہ مسلمانوں اور ان کے مخالفین کے معاملہ میں غیر جانب دار رہیں گے اور کسی کی مدد نہیں کریں گے۔[52] اسی طرح مسلمانوں اور قبیلہ بنی غفار کے مابین یہ معاہدہ ہوا کہ وہ مذہبی جنگ کی صورت میں غیر جانبداری برتیں گے۔ ۵ھ میں رسول اللہ ﷺ نے بنو عدی کے ساتھ غیر جانبداری کا معاہدہ کیا۔ بنو نضیر کے جھگڑے میں بنو قریظہ نے خود کو غیر جانبدار رکھا تھا۔ مدعیان نبوت کے خلاف جنگوں میں کئی قبائل نے بھی اپنے آپ کو غیر جانبدار رکھتے ہوئے ان میں شرکت سے گریز کیا تھا۔ اسلامی ریاست غیر جانبداری کا رویہ رکھتے وقت حالات وواقعات اور بین الاقوامی صورت حال کو مدنظر رکھے گی۔ دو غیر مسلم ریاستوں کے مابین جنگ کی صورت میں اگر مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ اس میں فریق نہ بنا جائے تو وہ اس جنگ سے الگ رہے گی یا اگر کوئی ریاست خود یہ درخواست کرتی ہے کہ اس جنگ میں اسلامی ریاست غیر جانبدار رہے تو اس پر عمل درآمد کیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔دولت مشترکہ کا قیام

اسلامی تعلیمات امہ کو مشترکہ پلیٹ فارم پر یکجا کرنے اور اخوت و مساوات کے تحت باہم مل جل کر رہنے کی تلقین کرتی ہیں:۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾[53]

(اور اللہ کی رسی کو سب مل کر تھام لو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی۔)

اس وقت کئی مسلم ریاستیں اور ممالک کرہ ارض پر موجود ہیں اور ہر ایک کے اپنے اپنے قومی مفادات ہیں لیکن اسلام کی خارجہ حکمت عملی کے لحاظ سے تمام مسلمان، چاہے وہ کسی بھی رنگ، نسل یا قومیت سے تعلق رکھتے ہوں، بین الا قوامی اسلامی برادری کا حصہ ہیں:۔

﴿وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ﴾[54]

(اور یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس تم مجھی سے ڈرو۔)

امت کا یہ تصور دیگر تمام تصورات پر حاوی ہے اور ان چھوٹی چھوٹی تمام تفریقات کو ختم کر دیتا ہے جو دیگر اقوام و ممالک میں بڑی شدت سے پائی جاتی ہیں۔ یہ قومی مفادات اور وفاداریوں سے بلند اور ارفع مقاصد کو سموئے ہوئے ایک اعلیٰ نصب العین کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ سورہ انبیاء میں اس بات کو یوں بیان فرمایا گیا ہے:۔

﴿إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ﴾[55]

(دیکھو! یہ ہے تمہاری امت، ایک امت اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس میری پرستش کرو۔)

سورہ توبہ میں ارشاد ہے:۔

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[56]

(اور مسلمان مرد اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کی ہدایت کرتے اور بدی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ پس یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔)

اسلام ایک ایسی دولت مشترکہ کا قیام چاہتا ہے جہاں مسلمانوں کے مابین اخوت، بھائی چارہ اور مساوات کے اصول مکمل اور یکساں بنیاد پر موجزن ہوں، اسی طرح عالمی لحاظ سے رواداری اور احترام انسانیت جیسے مظاہر جلوہ گر ہوں۔

خلاصۃ البحث

اسلام نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی معاملات اور امور کی رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ انسانی تمدن معاشرہ کے بغیر ترقی اور نمو نہیں پا سکتا۔ اسی لیے اسلام ایک ایسی ریاست کی تنظیم و تہذیب کا قائل ہے جو قرآن و سنت کی عملی تعلیمات کا نمونہ ہو۔ دین کے احکامات کے نفاذ اور معاشرہ کی فوز و فلاح کے لیے ریاست کا قیام ناگزیر ہے۔

خارجہ تعلقات کا آغاز عہد نبوی ﷺ کے مکی دور سے ہی ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے مکی دور نبوت میں ہی بین القبائلی اور بین الاقوامی تعلقات استوار کرنا شروع کر دیے تھے۔ بعد میں ان میں بتدریج اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے دائرہ کار میں مزید وسعت آتی چلی گئی۔ قرآن و سنت کی تعلیمات اور فقہائے کرام کے اقوال و آراء کے استنباط سے خارجہ حکمت عملی کے درج ذیل رہنما اصول سامنے آتے ہیں:

۱۔ بین الاقوامی تعلقات میں تعاون کی بنیاد نیکی اور تقویٰ کے اصول پر ہونی چاہیے۔

۲۔ ظلم اور گناہ کے معاملات میں عدم تعاون کی حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے۔

۳۔ بین الاقوامی معاہدات کی حتی الوسع پاس داری کرنی چاہیے اور نقضِ عہد سے گریز کا رویہ اپنانا چاہیے۔

۴۔ معاہدات کرتے وقت اسلامی تعلیمات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۵۔ امن و امان اور صلح جوئی اختیار کرنے میں لیت و لعل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

۶۔ عالمی انسانی برادری کے قیام کے لیے کوشش و کاوش جاری رکھنا بھی ذمہ داری کا تقاضا ہے۔

۷۔ مظلوموں اور کمزوروں کی دست گیری کے لیے ہر ممکن اقدام کرنا جو کہ بین الاقوامی حدود اور اصولوں کے مطابق ہو۔

۸۔ بین الاقوامی اصولوں کی پاس داری اور احترام کرنا ضروری امر ہے۔

۹۔ زیادتی کا شکار قوم یا ریاست کے کے لیے اتنی ہی بدلے یا انتقام کی اجازت ہے جتنی کہ زیادتی روا رکھی گئی ہو۔

۱۰۔ ظلم و زیادتی کے معاملات میں نہ تو کسی ریاست اور قوم کی حمایت کی جائے اور نہ ہی اس ضمن میں حوصلہ افزائی کی

جائے۔

۱۱۔غیر مسلموں سے دوستی رکھتے وقت اسلامی تعلیمات کو مد نظر رکھا جائے۔

۱۲۔اسلامی ریاست کو یہ روا نہیں کہ وہ ایسی ذمہ داری قبول کرے جسے وہ نبھانے کی نیت نہ رکھتی ہو اور نہ ہی دھوکہ دہی کا رویہ اپنائے۔

۱۳۔خارجہ حکمت عملی کمزور اور بزدلانہ نہ ہو بلکہ جرأت مندانہ ہو۔

۱۴۔اسلامی ممالک اور ریاستوں کی دولت مشترکہ کے قیام کے لیے اقدامات کرنا بھی خارجہ حکمت عملی کا ایک رہنما اصول ہے۔

۱۵۔غیر مسلم بڑی طاقتوں کے آپسی تنازعات اور جنگوں میں فریق نہ بنا جائے اور نہ ہی ان کے آلہ کار بن کر کسی مسلم ریاست پر فوج کشی یا حملہ کرنے میں معاونت کی جائے۔

حوالہ جات وحواشی

[1]۔ابو سلیمان، عبد الحمید احمد، اسلام اور بین الاقوامی تعلقات، منظر اور پس منظر، کلاسیکل پرنٹرس دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۲۵۴

[2]۔المائدہ۵:۲

[3]۔النساء۴:۱۳۵

[4]۔ البخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المسند المختصر من أمور رسول اللہ ﷺ وسننہ وأیامہ، دارالسلام لوئرمال لاہور، ۱۴۳۳ھ، کتاب المظالم والغضب، باب أعن اخاک ظالماً أو مظلوماً، حدیث رقم ۲۲۶۴

[5]۔وھبہ الزحیلی، الدکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ۲۰۰۰ء، ۸/ ۶۴۱۶

[6]۔بنی اسرائیل ۱۷:۳۴

[7]۔المائدہ۵:۱

[8]۔الطبری، ابی جعفر محمد ابن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، مطبعۃ مصطفیٰ البابی القاھرۃ، ۱۹۵۴ء، ص ۵/ ۸۴

[9]۔النحل۱۶:۹۱

[10]۔البقرہ۲:۱۷۷

[11]۔ابن حنبل، احمد بن محمد، الامام، المسند، دار صادر بیروت، ۱۳۸۹ھ، ۱/۸؛ سنن الکبریٰ، ۱/ ۱۳۵

[12]۔السھیلی، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ، کتاب الروض الانف شرح سیرۃ النبویہ لابن ہشام، مکتبہ الکلیات قاھرۃ، سن ندارد، ۳/ ۲۹

[13]۔السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن أبی داؤد، دار السلام لوئر مال لاہور، ۱۴۲۷ھ، کتاب الاجارۃ، باب: فی الرجل یاخذ حقہ من تحت یدہ، حدیث رقم: ۳۵۳۵

[14]۔المائدہ۵: ۳۲

[15]۔البقرہ۲: ۱۹۳

[16]۔النساء۴: ۹۰

[17]۔الانفال۱۶: ۶۱

[18]۔النساء۴: ۹۴

[19]۔الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب لاتمنوا القاء العدو، حدیث رقم ۲۸۰۱

[20]۔الحجرات۴۹: ۹-۱۰

[21]۔الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المظالم والغضب، باب أعن اخاک ظالماً أو مظلوماً، حدیث رقم ۲۲۶۴

[22]۔الحجرات۴۹: ۱۳

[23]۔الاعراف۷: ۱۵۸

[24]۔یونس۱۰: ۱۹

[25]۔المومنون۲۳: ۵۴

[26]۔النساء۴: ۱

[27]۔الھیثمی، نور الدین علی بن ابو بکر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مکتبۃ العلمیۃ بیروت، ۱۹۶۷ء، ۷/ ۱۶۳

[28]۔مجید خدوری، الحرب والسلم فی شرعۃ الاسلام، ترجمہ: اسلام کا قانون جنگ و صلح، (مترجم: غلام رسول مہر) مکتبہ المعین الادب لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۷۷

[29]۔آل عمران۳: ۱۰۳

[30]۔مودودی، ابو الاعلیٰ، شریعۃ الاسلام فی الجہاد والعلاقات الدولی، دار الصحوۃ للنشر، ۱۹۸۵ء، ص ۵۸۷

31۔البیہقی، احمد بن حسین، دلائل النبوۃ للبیھقی، دارالکتب العلمیۃ بیروت، س ن، کتاب جماع ، أبواب غزوہ تبوک، وفد بنی حنیفۃ، رقم الحدیث:۲۰۲۸؛ الخطیب العمری، ولی الدین، محمد بن عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۹۹۰ء، ۲/ ۳۴۷

32۔ نثار احمد، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء، نشریات اردو بازار لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۴۲۰

33۔ ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، الطبقات الکبریٰ، دار اصادر بیروت، ۱۹۵۸ء، ۲/ ۳۵۸

34۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، نگارشات پبلشرز اردو بازار لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۵-۱۵۶

35۔ السرخسی، أبو بکر محمد بن احمد بن أبی سہل، شرح کتاب السیر الکبیر (تحقیق: الدکتور حسن اسماعیل الشافعی) دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۷ء، ص ۱/ ۲۱۹

36۔ النساء ۴:۷۵

37۔ الحج ۲۲:۴۰

38۔ الممتحنہ ۶۰:۸

39۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنھایۃ، مکتبۃ المعارف بیروت، ۱۹۶۶ء، ۲/ ۲۹۱

40۔ الانفال ۸:۷۲

41۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۸۶ء، ۲/ ۱۶۲

42۔ البقرہ ۲:۱۹۳

43۔ الشوریٰ ۴۲:۴۰

44۔ البقرہ ۲:۱۹۴

45۔ النحل ۱۶:۱۲۶

46۔ المائدہ ۵:۵۱

47۔ المائدہ ۵:۵۷

48۔ الممتحنہ ۶۰:۱

49۔ النساء ۴:۹۰

50۔ الممتحنہ ۶۰:۴

[51]۔ التوبہ ۹:۴

[52]۔ ابن سعد، ۱/ ۳۲-۳۳

[53]۔ آل عمران ۳:۱۰۳

[54]۔ المومنون ۲۳:۵۲

[55]۔ الانبیاء ۲۱:۹۲

[56]۔ التوبہ ۹:۱۷